پروفیسر خالد شبیر احمد

امیر شریعت ایک کلیم سربکف

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ ایک جامع الصفات شخصیت ہیں جن کے بارے میں یہ بات برملا کہی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی خوبیوں کی بنیاد پر اپنے ہمعصر رہنماؤں میں ایک نمایاں اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب کسی قوم سے کوئی اہم کام لینا ہو تو ان کے ہاں یہ دستور ہے کہ وہ اس قوم کو ایسے رہنماؤں سے نواز دیتے ہیں جن کے اخلاق و کردار ایثار و قربانی اور عزم اور استقلال سے انقلاب پیدا ہو جائے۔ چنانچہ آج جب ہم غلام ہندوستان کے دور پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہمیں ایسی ہی عظیم ہستیوں کی ایک لمبی قطار نظر آتی ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ایسے کئی دوسرے حضرات یہ سب اپنی اپنی جگہ ایک ادارہ تھے۔ آج ہماری قوم کے افراد کو اگر خدا فرصت کے لمحات مہیا کر لے اور وہ مادی تگ و دو سے چند لمحات علیحدہ رہ کر اس دور کی داستان کو پڑھیں تو انہیں پتہ چلے کہ جنگ آزادی کے ان رہنماؤں نے کن نامساعد حالات میں کس جرات و بے باکی کے ساتھ کام کیا ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد کے الہلال و البلاغ، مولانا حسرت موہانی کے اردو معلی، مولانا محمد علی جوہر کے کامریڈ اور ہمدرد اور مولانا ظفر علی خان کے زمیندار نے کیا کیا کارہائے نمایاں سرانجام نہیں دئیے۔ لیکن ان سب بزرگوں کے انداز کار سے ہٹ کر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے کارناموں کا ایک انوکھا اور جداگانہ رنگ ہے۔ ان سب کے اخبار وہ سماں نہ پیدا کرسکے جو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قوت گفتار نے پیدا کر دکھایا۔ وہ لوگ جو پڑھے لکھے نہ تھے اور دور دراز کے شہری یا دیہاتی علاقے میں رہائش پذیر تھے انہیں سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دبستان بخاری کے دوسرے خطباء (چودھری افضل حق، شیخ حسام الدین، تاج دین انصاری، مولانا مظہر علی اظہر، شورش کاشمیری، قاضی احسان احمد، مولانا گل شیر شہید، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی) نے خواب غفلت سے جگایا۔ نعرۂ تکبیر سے ان کا خون گرما کر انہیں میدان جنگ میں لاکھڑا کیا۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو حضرت امیر شریعت کے دم قدم سے وہ معرکہ بھی سر ہوا جو آزادی کے ان مقتدر رہنماؤں کی دسترس سے باہر تھا۔ حضرت شاہ جی میں ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ بڑے پرخلوص اور دل آویز طریقے سے لوگوں کے ساتھ محبت و دلداری کا مظاہرہ کرتے اور نوجوان اپنی جوانی لاکر ان کے قدموں پر ڈھیر کر دیتے تھے۔ اخلاق و کردار کی بلندیوں پر کھڑا ہوا یہ مرد مجاہد اپنی ایک للکار سے جوانوں کو اکٹھا کر لیتا اور ان سے جیسے چاہتا تھا کام لے لیتا۔ تحریک تحفظ ختم نبوت کے متعلق اس وقت کی حکومت نے جب حضرت شاہ جی پر لوگوں کو مرزائیوں کے خلاف اکسانے کا الزام لگایا تو حضرت مولانا احمد علی لاہوری نے اس کے جواب میں فرمایا تھا۔

> "خدا کا شکر ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری تشدد کے قائل نہیں ورنہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی زبان عطا فرمائی ہے کہ اگر وہ تشدد پر اتر آئیں اور مسلمانوں کو حکم دے دیں تو چند گھنٹوں

کے اندر اندر ربوہ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے بلکہ پورے ملک کے اندر ایک قیامت برپا ہوجائے"

حضرت شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تقریروں سے ایسا سحر پھونکتے تھے کہ دم تقریر سامعین کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود ہو کر رہ جاتیں اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری لوگوں کی سوچ کے دھارے کو جدھر چاہتے موڑ دیتے تھے۔ میں نے ان کی بیسیوں تقریریں سنی ہیں۔ ان کے الفاظ کانوں میں رس گھولتے اور دل و دماغ کی گہرائیوں میں اتر جاتے تھے۔ لوگ ان کے سامنے منہ کھولے اور آنکھیں پھاڑے بیٹھے رہتے جیسے انسان نہیں پتھر کی مورتیاں ہیں شورش کاشمیری مرحوم نے ان کی خطابت کو خوبصورت الفاظ کا جامہ پہنا کر ایک مخصوص تاثر قائم کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"کالی داس نے عورت کے روپ کی تصویر کھینچتے ہوئے کائنات کی جن تصوری اور نظری خوبیوں کو یکجا کیا ہے ان تمام خوبیوں کا مرقع شاہ جی کی خطابت ہے رعد کی گونج، بادل کی گرج، ہوا کا خراٹا، فضا کا سناٹا، صبح کا اجالا، چاندنی کا جھالا، ریشم کی جھلملاہٹ، ہوا کی سرسراہٹ، گلاب کی مہک، سبزے کی لہک، آبشار کا بہاؤ، شاخوں کا جھکاؤ، طوفان کا جوش، سمندروں کا خروش، پہاڑ کی سنجیدگی، صبا کی چال، اوس کا نم، چنبیلی کا پیراہن، تلوار کا لعبہ، بانسری کی دھن، عشق کا بانکپن، حسن کا اغماض، اور کہکشاں کی مسجع و مقطع عبارتیں آواز میں ڈھلتے ہی خطابت کی جو صورت اختیار کرتی ہیں اس کا جیتا جاگتا مرقع شاہ جی کی ذات ہے"

ایک دوسری جگہ آغا شورش اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت شاہ جی عوامی خطابت کی اقلیم کے فرمانروا ہیں آپ کی زبان کا لوچ، اسلوب کی دلکشی، خیالات کی پختگی، روانی کا بہاؤ، ظرافت کا شستہ پن، حاضر جوابی کی شوخی، تمثیلات کا قرآنی رنگ، دلائل کی سحر کاری، نہ صرف اردو خطابت کے لئے بے مثال ہے بلکہ وقت کی دوسری زبانوں میں بھی آپ کا ہم مرتبہ خطیب بحیثیت فن ملنا دشوار ہے۔ شاہ جی کی خطابت کا بنیادی وصف یہ ہے کہ وہ مجمع کے ذہنوں کو اکائی میں بدلنے کی قدرت رکھتے ہیں اور بقول "سسرو" ایک خطیب کا منتہائے کمال یہ ہے کہ وہ جس حد تک سامعین کو اپنا ہمنوا بنا سکتا ہے اسی درجے کا خطیب تسلیم ہوتا ہے۔ شاہ جی کے بیان کی ایک خوبی اور ہے کہ وہ آنسوؤں کے تاگے میں قہقہوں کے پھول پرو دیتے ہیں اور قہقہوں کے شور میں آنسوؤں کے موتی بکھیر دیتے ہیں"

اسی طرح ہندوستان کے ایک مشہور مصنف کے ایل گابا جنکی کتاب "مجبور آوازیں" کا پاکستان کے اہل علم و سیاست میں کافی چرچا رہا ہے اپنی کتاب BATTLE AT BAR "بیٹل ایٹ بار" میں شاہ جی کی خطابت اور دیانت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں

"مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کئی لحاظ سے اپنے دور میں ہندوستان کے سب سے بڑے

خطیب تھے ان کے زمانہ عروج میں اگر کوئی تھے تو فقط چند ہی ان کے ہم پایہ خطیب تھے۔ تین سے پانچ گھنٹے کی خطابت ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ بعض اوقات تو ساٹھ ہزار کے بڑے مجمع کو ان کے انتظار میں دیکھا گیا۔ وہ نماز عشاء کے بعد گیارہ بجے کے قریب سٹیج پر تشریف لاتے اور صبح کو ہی سامعین کو گھر جانے کی اجازت دیتے تھے۔ جبکہ سامعین اس وقت بھی گھر جانے کے لئے ذہنی طور پر تیار نہ ہوتے تھے۔ شاہ جی اس لئے جلسہ برخاست نہ کرتے تھے کہ سامعین نے بہت کچھ سن لیا ہے یا پھر ان کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا۔ بلکہ اس لئے جلسہ برخاست کرتے تھے کہ اس طرح وہ لوگوں کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لیکر آرام کرنے کا موقع دینا چاہتے تھے۔ انہیں تقریر کے دوران سامعین کو رلانے اور ہنسانے کے پوری قدرت حاصل تھی وہ اپنے سامعین میں نفرت اور طنز کے جذبات بھی اتنی ہی آسانی کے ساتھ پیدا کرسکتے تھے جتنی آسانی کے ساتھ رحم، محبت اور تعاون کے جذبات۔ عطاء اللہ عربی النسل تھے وہ عربی، فارسی اور اردو بڑی آسانی کے ساتھ بول سکتے تھے انہیں انگریز اور قادیانیوں کے ساتھ انتہائی نفرت تھی۔ وہ کئی مرتبہ جیل گئے، لیکن انہوں نے اپنی صلاحیتوں، اپنے نظریات اور اپنی قربانیوں کا کبھی سودا نہ کیا"

اسی طرح ڈبلیو، سی، سمتھ اپنی کتاب MODERN ISLAM IN INDIA "ماڈرن اسلام ان انڈیا" میں شاہ جی کے بارے میں اس طرح تحریر کرتا ہے۔

"شخصی اثر اور مقبولیت کی سب سے بڑی مثال سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ذات میں دکھائی دیتی ہے۔ یہ غیر معمولی شخصیت ہندوستان کے سب سے بڑے اور مؤثر ترین خطیب ہونے کا دعوی کرسکتی ہے جس نے کئی بار اپنے سحر بیان سے لاکھوں افراد کے دلوں کو مسخر کیا۔ اور لوگ اکثر اکتائے بغیر گھنٹوں تک انہیں غور سے سنتے رہے اور متاثر ہوتے رہتے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اپنی تقریروں میں آیات قرآنی اور اشعار سے ایک عجیب و غریب رنگ پیدا کردیتے اور پھر انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے ایک غیر متزلزل مطالبے پر اصرار کرتے، انہوں نے قرآن کی روشنی میں ایک مثالی معاشرے کی تصویر پیش کرکے ایک مدت تک لوگوں کو بے چین اور سرگرم عمل رکھا"

ان اقتباسات سے ان کی شخصیت کے صرف ایک پہلو خطابت کا پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ کس پائے کے خطیب تھے۔ اور لوگ انہیں کتنے شوق سے سنتے اور وہ کس طرح لوگوں کو ہنسانے اور رلانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اور یہ کہ وہ جیسا چاہتے لوگوں کو اپنے ارشادات دل نواز سے نوازتے رہتے۔ لیکن یاد رکھیئے امیر شریعت کی عظمت کی وجہ خطابت ہرگز نہ تھی۔ بلکہ آپ نے خطابت کو جس مقصد کیلئے استعمال کیا اصل وجہ افتخار وہ مقصد اور اس مقصد کے حصول کے لئے قربانیوں کو پیش کرنا تھا۔ انہوں نے زندگی جس بے چینی اور اضطراب کے ساتھ بسر کی ہے جس طرح انگریز جیسی جابر طاقت کے ساتھ ٹکر لی ہے۔ اور جس طرح انہوں نے اپنے مشن کی تکمیل کی خاطر ایثار و قربانی

پیش کی ہے یہ سب کچھ ان کی عظمت اور بڑائی کی بنیاد ہے۔ بہت کم لوگوں کو جدوجہد کے دوران ثبات اور استقلال نصیب ہوا ہے۔ جو حضرت شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب ہوا ہے مصائب و مشکلات ان کے عزم و استقلال کو سرنگوں کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہوسکے۔ ہمیشہ جس بات کو حق جانا برملا اس کا اظہار کیا اور شاید ان کی باتوں میں اثر بھی اسی لئے ہوتا کہ وہ جو سچ سمجھتے تھے اسے بیان کر دیتے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی زندگی کی تمام تر جدوجہد کا مرکز و محور، ان کا اپنا قول ہے کہ "میں زندگی میں ایک چیز سے محبت کرتا ہوں اور ایک ہی چیز سے نفرت کرتا ہوں، قرآن سے محبت اور انگریز سے نفرت" حقیقت بھی یہی ہے کہ قرآن سے محبت انہیں انگریز سے نفرت کے لئے مجبور کرتی رہی۔ یہود و نصاریٰ کی ازلی اور ابدی اور ناقابل مصالحت دشمنیٔ اسلام کے تذکرے قرآن پاک کے مقدس صفحات پر بکھرے پڑے ہیں وہ اکثر اپنی تقریروں میں نوجوان نسل کو قرآن پاک کے مطالعے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرماتے

"بابو لوگو! اس کتاب کی قسمیں نہ کھایا کرو، اسے پڑھا کرو، قربان جاؤں قرآن پاک کے۔ خود گواہی دیتا ہے کہ میں محمد الرسول اللہ پر اتارا گیا ہوں۔ اسے شاہ ولی اللہ، شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کی طرح نہیں پڑھ سکتے تو نہ سہی، علامہ اقبال کی طرح پڑھ لو۔ دیکھا اس نے قرآن کو ڈوب کر پڑھا تو دانش فرنگ پر ہلہ بول دیا۔ پھر اس نے قرآن کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں یقیناً اقبال تمہارے بتکدہ میں اللہ اکبر کی صدا تھے"

حضرت شاہ جی کے خیال کے مطابق جس نے بھی قرآن کو ڈوب کر پڑھا وہ انگریز کی نفرت پر مجبور ہو گیا۔ کہ اس کے علاوہ اس کے سامنے کوئی چارہ کار ہی نہیں۔ آپ نے ساری عمر کی جدوجہد اور تقاریر کے ذریعے یہ نفرت لوگوں کے دل و دماغ میں منتقل کرنے کا دینی فریضہ ادا کیا آپ صرف انگریز کے ہی نہیں بلکہ اس کے دیئے ہوئے پورے نظام کے مخالف تھے آپ کے دل میں انگریز کے خلاف نفرت کس درجہ موجزن تھی اس کا انداز آپ ان کی ایک تقریر کے اس اقتباس سے لگا سکتے ہیں۔ فرماتے ہیں

"اگر کوئی شخص آسمان سے فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھ کر نازل ہوتا دیکھوں جو روزانہ آب زمزم سے غسل بھی کرتا ہو اور غلاف کعبہ کا لباس بھی زیب تن کرتا ہو۔ لیکن وہ اپنے کسی قول یا فعل سے انگریزوں کی حمایت کا دم بھرتا ہو تو قسم ہے مجھے اس قادر مطلق کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس شخص کی مخالفت میرے لئے جزو ایمان کا درجہ رکھتی ہے۔ میں کٹ تو سکتا ہوں لیکن اسکی مخالفت سے باز نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ انگریز سے بڑا اسلام اور مسلمانوں کا دشمن اس دھرتی نے آج تک پیدا ہی نہیں کیا۔ یہ ظالم چھوٹے پانی سے ہاتھ پکڑ کر باہر نکالتا ہے احسان جتاتا ہے اعتماد بحال کرتا ہے اور پھر ایسی جگہ ڈبوتا ہے جہاں سے بچنا محال ہو۔ لعنت بر پدر فرنگ"

لعنت بر پدر فرنگ کا قلندرانہ نعرہ وہ اکثر بلند کرتے جس کا مقصد انگریز سے شدید نفرت کا اظہار ہوتا تھا۔ آپ کی تمام عمر کی تقریروں کا تجزیہ کیا جائے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی خطابت کے ذریعے بنیادی طور

پردہ ہی کام کئے ہیں۔ انگریز سے نفرت کا اظہار اور قرآن و دین سے محبت کا پرچار۔ آپ کی ایک تقریر کا مشہور اقتباس آپ کے اس مسلک کا ترجمان ہے۔

"میں ان علمائے حق کا پرچم لئے پھرتا ہوں جو ۱۸۵۷ء میں فرنگیوں کی تیغ بے نیام کا سکار ہوئے۔ رب ذوالجلال کی قسم مجھے اس بات کی کچھ پرواہ نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں لوگوں نے پہلے ہی کب کسی سرفروش کے بارے میں راست بازی سے سوچا ہے وہ شروع سے ہی تماشائی ہیں اور تماشہ دیکھنے کے عادی ہیں۔ میں اس سرزمین پر مجدد الف ثانی کا سپاہی ہوں، شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کا متبع ہوں، سید احمد شہید کی عزت کا نام لیوا، شاہ اسماعیل شہید کی جرأت کا پانی دیوا ہوں، میں اُن پانچ مقدمہ ہائے سازش کے پا زنجیر صلحائے امت کے لشکر کا ایک ادنی خدمت گار ہوں، جنہیں حق کی پاداش میں عمر قید اور موت کی سزائیں دی گئیں۔ ہاں۔ ہاں میں انہی کی نشانی ہوں انہی کی صدائے بازگشت ہوں، میری رگوں میں خون نہیں آگ دوڑتی ہے۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں قاسم نانوتوی کا علم لیکر نکلا ہوں، میں نے شیخ الہند کے نقش قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے، میں زندگی بھر اسی راہ چلتا رہا ہوں اور چلتا رہوں گا۔ میرا اس کے سوا کوئی موقف نہیں میرا ایک ہی نصب العین ہے اور وہ برطانوی سامراج کی لاش کو کفنانا اور دفنانا"

شاہ جی کی تمام زندگی اسی جہاد میں بسر ہوئی تمام عمر انگریز کی مخالفت اور ان کے ایجنٹوں کی سرکوبی میں گزار دی۔ اپنے ارد گرد مخلص اور جاں نثاروں کی جماعت اکٹھی کرلی اور ان غریب ساتھیوں میں اعتماد، لگن اور دلیری کی وہ آگ روشن کردی جس کی وجہ سے مجلس احرار اسلام کا ادنی رضاکار بھی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا تھا۔ ان جیالے رضاکاروں کو جب کبھی موت کا مژدہ سنایا جاتا تو ان کے چہرے پر مسرت و انبساط رقص کرنے لگتی اور یہ حضرت شاہ جی کی شخصیت کا پرتو تھا، خود فرمایا کرتے تھے۔

"میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں ہی آزادی کا ہیرو ہوں، اس میدان میں مجھ سے بڑے بڑے لوگ قربانی و ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھ سے بہت آگے نکل گئے۔ لیکن ایک بات جس سے میرا ضمیر مطمئن اور میرے دل کو ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے یہ ہے کہ میں نے اس دھرتی کے لاکھوں انسانوں کے دل ودماغ سے انگریزی رعب اور انگریزی دبدبہ نکال باہر کیا ہے اور غریب لوگوں کے اندر آزادی کی ایسی تڑپ پیدا کردی ہے کہ اب وہ انگریزی استبداد کے سامنے سرنگوں ہونے کی بجائے آزادی کی خاطر تختہ دار پر لٹک جانے کو ترجیح دیتے ہیں"

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی زندگی ایک بے مثال خطیب کی ہی زندگی نہیں بلکہ ان کی ہمہ گیر شخصیت کو صرف خطابت میں محدود کردینا تاریخ کی بہت بڑی بددیانتی ہے ان کی زندگی ایک عظیم انسان کی

زندگی ہے۔ ان کی عظمت کا راز ان کی خطابت میں نہیں ان کی بھرپور مجاہدانہ دینی زندگی میں ہے۔ انکی شجاعت میں ہے۔ بڑے سے بڑا خوف ان کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کرسکا۔ سر سکندر حیات جب وزیر اعظم پنجاب تھے تو اسی کے ایماء پر آپ پر برطانوی سامراج کے خلاف مسلح بغاوت کے الزام میں بیک وقت دس مقدمات بنائے گئے جس کے نتیجے میں کم از کم سزا حبس دوام بہ عبور دریائے شور تھی اور اصل سزا، سزائے موت تھی لیکن کیا مجال ہے کہ ایک لمحے کو بھی بزدلی کو انہوں نے اپنے قریب بھٹکنے دیا ہو، خدا نے خود ان کی مدد فرمائی اور صفائی کے سامان سرکاری عملے کے اندر سے مہیا ہوگئے۔ سرکاری گواہ پولیس رپورٹر لدھارام اپنے بیان سے منحرف ہوگیا اور شاہ جی کو بغاوت کے مقدمے میں پھنسا کر سزائے موت دلوانے کی سر سکندر حیات کی سازش کو طشت از بام کردیا اس نے اس سازش کی تمام تر ذمہ داری سکندر حیات پر ڈال دی۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے صرف جنگ آزدی ہی نہیں لڑی بلکہ بنیادی طور پر تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ وہ صرف مجاہد تحریک آزادی ہی نہ تھے بلکہ ایک بے مثال مبلغ اسلام بھی تھے آج بھی بہاولپور، رحیم یار خان، ڈیرہ غازیخان، مظفر گڑھ اور ڈیرہ اسمٰعیل خان کے دیہات اس بات کے گواہ ہیں کہ یہاں کے پس ماندہ اور دور افتادہ علاقے کے رہنے والوں کو دینی شعور سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے دیا ہے ورنہ ان پسماندہ علاقوں کے باسیوں کو قطعاً کوئی مذہبی شعور نہ تھا وہ دینی معلومات سے بے بہرہ تھے اور صحیح معنوں میں سادہ لوح تھے۔ یہ لوگ فقط نام کے مسلماں تھے لیکن سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قوت کار کا آپ اندازہ لگائیں کہ اپنی مصروف اور ہنگامہ خیز زندگی میں سے بھی اکثر وقت بچا کر ان دیہاتوں میں تشریف لے جاتے بمبئی اور دہلی کی بڑی بڑی کانفرنسوں کو چھوڑ کر اا پسماندہ علاقوں میں پیدل سفر کرتے بستر سر پر اٹھا کر ایسے علاقوں میں بھی جاتے جہاں پر جانا آج بھی جوئے ش لانے کے مترادف ہے۔ کہا کرتے تھے کہ جسے ہندوؤں کی نمائندگی کا طعنہ دیتے ہو، اس فقیر نے تو راہ چلتے کئی ع مسلموں کو کلمہ پڑھادیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ شاہ جی نے ہندوؤں کے مجمع میں خدا کی وحدانیت اس دھڑلے ۔ ساتھ پیش کی کہ ہندو اکثر چیخ اٹھتے اور کہتے کہ یہ شخص ہمارے درمیان بیٹھ کر ہمارے بتوں کو مسمار کرتا ہے۔ اَ اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو ہمارے ہاتھوں سے بچ کر نہ جاسکتا۔ یہ ظالم تو ہماری سوچنے سمجھنے کی قوت کو ماؤف کرکے رکھ دیتا ہے۔ حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ (سابق مہتمم دار العلوم دیوبند) نے شاہ جی کی وفات پر تعزیتی پیغام میں شاہ جی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ شاہ جی کے ارشادات سے ہندو مسلم دونوں مستفید ہوتے تھے۔ قاری صاحب ایک مضمون میں یوں تحریر فرماتے ہیں

> ''جہاں تک ان کے بیان سے مجھے استفادہ کا موقع ملا ہے محسوس ہوتا ہے کہ قرآن ان کے سامنے کھلا ہوا ہے اور وہ اس کے بلیغ جملوں کی مجسم شرح و تفسیر بنے ہوئے ہیں۔ سحر بیانی سے مجمع کو باندھ کر رکھ دینا گویا ان کا اختیاری فعل ہوتا تھا کہ جب چاہیں اسے کھول دیں اور جب تک چاہیں باندھے رکھیں اور پھر یہ ان کے بیان کی بلاغت اور سلاست کی خوبی تھی کہ مسلم و غیر مسلم یکساں طور پر ان سے مستفید ہوتے تھے اور دست و پا بستہ ہوجاتے تھے مجلس

احرار اسلام کے ذریعے انہوں نے ملک وقوم کی جو عظیم خدمات ایک طویل عرصہ تک سرانجام دی ہیں بر صغیر پاک و ہند کا گوشہ گوشہ اس پر گواہ ہے اور تحریک آزادیٔ پاک و ہند میں ایک بلند مقام اور عظیم خصوصیت کا حامل ہے۔ اس دور میں آراء الگ الگ تھیں اور ایک رائے کا دوسرا پابند نہ تھا لیکن ان کے دینی جوہروں کے معترف ان کے مخالف بھی تھے۔ اور سب ان سے متاثر ہوتے تھے۔ کبھی سفر میں اتفاقی طور پر ساتھ ہوتا تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ مقناطیس کی حیثیت سے ہیں۔ اور لوگ بمنزلہ لوہا اور پیتل کے ہیں جو کھنچ کھنچ کر ان سے چسپاں ہو رہے ہیں"

غیر مسلموں میں بیٹھ کر تبلیغ اسلام کا فریضہ جس خوبصورتی کے ساتھ آپ نے ادا کیا ہے۔ اس کی ایک ہلکی سی تصویر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے ایک مضمون کے اس اقتباس سے واضح ہوتی ہے جو آپ نے حضرت شاہ جی کی وفات پر تحریر فرمایا تھا

"قدرت نے فوق العادت زبان کی شیرینی، بیان کی روانی اور فوق العادت تعبیر کی قوت آپ کو عطا فرمائی تھی۔ ایک دفعہ "نوساری" ضلع سورت میں ہندوؤں اور سکھوں کی ایک دعوت پر تقریر کرنا منظور فرمائی ایک تھیٹر ہال کا انتخاب ہوا، جامع "ڈابھیل" کے کل اساتذہ اور طلباء بھی شریک تھے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی بھی تشریف فرما تھے اس تقریر کی تاثیر و حلاوت، فوق العادت خطابت کا کمال آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس کی شیرینی کام و دہن میں ہے۔ ہندوؤں اور سکھوں سے اللہ اکبر کے بلند شگاف نعرے بلند کرائے تھے۔ اسلام کی حقانیت، اللہ تعالیٰ کی عظمت اور توحید، گوشت خوری کے منافع اور بت پرستی کی قباحت پر حیرت انگیز بیان تھا۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی زار و قطار رو رہے تھے۔ میں نے کبھی انہیں اتنا روتے نہیں دیکھا۔ تقریر کے بعد میں نے سنا حضرت شبیر احمد عثمانی فرماتے تھے میں نے سید عطاء اللہ شاہ کی بیسیوں تقریریں سنی ہیں لیکن اتنی مؤثر تقریر آجتک نہیں سنی اور فرمایا آج عطاء اللہ نے حق تبلیغ ادا کر دیا ہے۔ اپنے وقت کے سب سے بڑے متکلم عالم اور خطیب کا حضرت شاہ صاحب کو خراج تحسین کتنا قیمتی ہے"

لیکن ہم کتنے ظالم ہیں کہ تاریخ اسلام کے اس عظیم الشان مبلغ اسلام کو بھی الزام تراشیوں کا نشانہ بنانے سے باز نہ آئے۔ جس کی زندگی ایک مثالی زندگی اور جس کا مشن خدائی مشن تھا۔ جس کے ایمان کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ جسکے خلوص و محبت کے اپنے چھوڑ بیگانے بھی معترف ہیں جس نے لاکھوں نہیں کروڑوں دلوں میں آزادی کی تڑپ پیدا کی۔ جو ہر خلاف اسلام قوت کے سامنے ڈٹ گیا۔ جس نے قادیانیت کا اس طور محاسبہ کیا کہ مرزا غلام احمد کی روح بھی چیخ اٹھی جس نے غریبوں کی مدد کی اور امراء کا مقابلہ۔ جو ہر انسان کا دوست اور غم گسار تھا۔ جس نے اپنے رضاکاروں کے ساتھ حسن سلوک شفقت، پیار اور محبت کی انتہا کر دی، جو عام لوگوں میں رہ کر سکون و

راحت حاصل کرتا، جو امراء سے دور بھاگتا کہ بقول اس کے وہ دل کے غریب ہوتے ہیں۔ جس نے تمام عمر ایک لگن ایک تڑپ میں بسر کردی جو زندہ رہا تو اس طرح کہ قرون اولی کے مسلمانوں کی یاد تازہ کردی، اور جو مرا تو اس طرح کہ لاکھوں افراد اس کے جنازہ پر اشک بہار ہے تھے۔ اور ان لاکھوں میں ہر ایک اپنی جگہ خیال کرتا تھا کہ شاہ جی اس کے سب سے زیادہ قریب ہیں اور یہی ان کی عظمت کی دلیل ہے کہ انہوں نے خلوص کے ساتھ انسانوں سے محبت کی اور اپنے اخلاق و کردار سے انہیں متاثر کیا۔ الغرض سید عطاء اللہ شاہ بخاری کروڑوں انسانوں کے دلوں میں اپنی عظمت کے نقش چھوڑ گئے ہیں جسے وقت کا بہتا ہوا دھارا بصد کوشش بھی نہ مٹا سکے گا۔ آج بھی ہزاروں انسانوں کو دیکھتا ہوں کہ جب سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے چہروں پر رونق کی عجیب سی لہر ابھر آتی ہے۔ غم محبت میں ان کی آنکھیں اشک بار ہوجاتی ہیں اور احترام سے ان کے دل و دماغ سر نگوں ہوجاتے ہیں آخر ایسا کیوں ہے؟ لوگ اس کو اس انداز سے کیوں یاد کرتے ہیں؟ فقط اس لئے کہ وہ مخلص تھے اس لئے کہ وہ کسی کے دشمن نہ تھے اس لئے کہ انہوں نے بے مثال زندگی بسر کی۔ ایسی زندگی جس میں ریاکاری دھوکا بازی، دنیاداری، بزدلی، سازش، جوڑ توڑ نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ بلکہ اس کے برعکس جس کی زندگی کے اوراق پر شجاعت، بیباکی، اخلاص، مروت، عزم، استقلال، ایثار، قربانی، شفقت، ہمدردی، تحمل، صبر، بردباری، مصائب و مشکلات کو برداشت کرنے کے مثالی کردار کی لازوال داستان بکھری پڑی ہے۔ جس کو ہم آج بھی بطور نمونہ نئی نسل کے سامنے پیش کرسکتے ہیں۔ کہ کس طرح ایک فقیر نے انگریزی جبرو استبداد سے نبرد آزمائی کرکے اپنے لئے لوگوں کے دلوں میں گھر کرلیا تھا۔ کس طرح سے وہ امرتسر کی گلیوں سے اٹھا اور پورے ہندوستان پر چھا گیا۔ کوئی گوشہ، کوئی قریہ، کوئی دیہات، کوئی شہر آج سرزمین پاک و ہند پر ایسا نہیں ہے۔ جہاں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے زمزمے نہ گونجتے رہے ہوں، کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس نے انہیں قریب سے دیکھا ہو، اور وہ ان کے خلوص کا معترف اور ان کی محبت کا اسیر نہ ہوگیا ہو، یہ مختصر مضمون ان کی عظیم شخصیت کی ہر خوبی کو اپنے دامن میں سمیٹنے سے قاصر ہے، ان کی زندگی کے کس کس پہلو پر قلم اٹھایا جائے، ان کے خطابتی معرکے تحریر کریں، یا ان کے جواں عزم کی داستانیں سپرد قلم کریں، ان کے تبلیغ اسلام کے واقعات سنائیں، یا ان کی حاضر جوابی اور بذلہ سنجی پر قلم اٹھائیں ان کی مہر و محبت کے ترانے سنائیں یا ان کی محبت کی کہانیاں، ان کی خلوت و جلوت کا ذکر کریں یا ان کی رزم و بزم کی روئیداد نئی نسل کو منتقل کریں، ان کی زندگی کے کون کون سے پہلو اور کون کون سے گوشے کو قارئین حضرات کے سامنے پیش کیا جائے کہ وہ ایک جامع الصفات انسان تھے، جن کی کوئی خوبی بھی نظر انداز کردینے کے قابل نہیں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نئی نسل میں ان کے مشن کو عام کیا جائے اور اس دور الحاد میں جس قدر آپ کے نظریات، خیالات، عقائد، اور اعمال کی نشر و اشاعت کی ضرورت ہے شاید پہلے کبھی نہ ہو، ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان لائق صد مبارک باد ہے کہ اس نے حضرت شاہ جی کے صد سالہ تقریب کے موقع پر ان کی شخصیت پر ایک خصوصی نمبر شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے ان کا یہ اقدام اس اہم ضرورت کو کافی حد تک پورا کرنے میں کامیاب ثابت ہوگا۔

اس عظیم انسان کو خراج عقیدت پیش کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انکے نقش قدم پر چلنے کی قسم کھائی

جائے راہِ حق میں مصائب و مشکلات کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کیا جائے مایوسی و بددلی کو قریب نہ آنے دیا جائے۔ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کر کے عزائم کی آبیاری کی جائے اور جب تک زندگی باقی رہے انکی آواز میں اپنی آواز ملا کر اسے بلند رکھا جائے۔ کہ وہ آواز "خدا کی دھرتی پر خدا کی حکمرانی کی آواز" ہے وہ آواز دنیائے اسلام کے خلاف طاقتوں کی سرکوبی کی آواز ہے، وہ آواز اتحاد بین المسلمین کی آواز ہے۔ وہ آواز یہود و نصاریٰ کے اصلی خدوخال سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کی آواز ہے۔ وہ آواز امراء و رؤساء کے استحصال سے غرباء کو چھڑانے کی آواز ہے۔

یاد رکھو آج بھی شاہ جی ہمارے درمیان موجود ہیں وہ زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے اور ہمیں تلقین کر رہے ہیں کہ زندہ رہو تو فقط اسلام کی سربلندی کی خاطر اور مرمٹو تو بھی صرف اور صرف اسلام کی خاطر، اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرو، اپنے سیاسی اور مذہبی اختلاف کو مٹا کر اپنے اندر محبت، پیار کے دیپ روشن کرو، ایسی فضا پیدا کرو کہ جس میں تم سب پاکستانی دشمن اسلام قوتوں کے لئے ایک ناقابل تسخیر قوت بن سکو، حضرت امیر شریعت کی زندگی کا حاصل بھی یہی تھا۔ انہوں نے کمال خوبی سے ہر مدرسہ فکر کے لوگوں کو بڑے خلوص کے ساتھ یکجا کر کے ان سے ملت اسلام کے تحفظ، اسکی آزادی اور اس کے وقار کے لئے کام لیا تھا۔ وہ اپنوں کو گلے لگاتے تھے ان میں عزت نفس پیدا کر کے انہیں اتحاد و اتفاق کے ذریعے ایک قوت بنا دیتے تھے، اور اس قوت کو دشمنان اسلام کے خلاف اتنی شدت کے ساتھ استعمال کرتے کہ دشمن کی صفوں میں تھلکہ مچ جاتا تھا۔ آج اسی جذبے کو اجاگر کرنے کی اشد ضرورت ہے جس کے لئے حکومت پاکستان کو چاہیئے کہ وہ امیر شریعت کو قومی ہیرو تسلیم کرتے ہوئے انکے افکار قربانی وایثار اور اسکی خدمات سے قوم کو روشناس کرائے تا کہ قوم پھر ایک مرتبہ علامہ اقبال کے اس شعر کی تصویر بن جائے

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

جیل خانے کی چار دیواری میں آپ کے قہقہے زیادہ وسیع ہو جاتے ہیں
عبدالمجید سالک

شاہ جی تقریر نہیں کرتے غزل کہتے ہیں، ہر شعر علیحدہ اور مکمل ہوتا ہے۔
چراغ حسن حسرت

وہ واقعی ان عظیم اشخاص میں سے تھے جن کی ہستی یک ترکیب و تعمیر میں قدرت کے غیر معمولی تعین نے کار فرمائی کی
ڈاکٹر سید عبداللہ

اسلام اور آزادی پر دل و جان سے قربان ہو جانا ان کی زندگی کا منتہا تھا
علامہ علاء الدین صدیقی۔